چودھویں صدی ھجری کی ایک دینی درسگاہ

دارالعلوم دیوبند

مولانا محبوب الرحمان

دارالعلوم دیوبند کا ذکر آتا ھے، تو ھمارے سر عظمت و وقار کی اس فلک بوس عمارت کا تصور کرکے نیاز مندانہ جھک جاتے ھیں۔ اس مادر علمی سے ھزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں نے اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ برصغیر کے مشرقی کونہ اور مغربی حدود سے نکل کر ترکستان بلکہ مشرق وسطی تک کے علاقوں میں یہیں سے دینی علوم کی نہریں جاری ھوئیں ان میں جزائر شرق الہند کو بھی شامل کر لیجئے تو نصف کرۂ ارض پر ابنائے دارالعلوم کی عملی ترکتازیاں نظر آئیں گی۔ اگر ھم یہ دعوی کریں کہ ابنائے دارالعلوم فریضہ قال اللہ و قال الرسول کا علم تھام کر دیار مغرب تک جا پہنچے تو یہ مبالغہ ھرگز نہیں ھوگا۔ ھمارے علم میں یہ بات بھی آئی کہ اس مادر علمی سے فیض یافتہ حاملین علم وسط ایشیاء کی مسلم ریاستوں میں بھی پہنچے جو اس وقت سوشلزم کے پنجہ تسلط میں ھیں۔ اور افغانستان جو آج کمیونزم کا شکار ھوا ھے اس میں کسی وقت تحریک آزادی ھند کا کیمپ قائم تھا۔ میری مراد تحریک ریشمی رومال سے ھے جس کے روح و رواں اس مادر علمی کے سب سے اول متعلم اور بعد میں صدر مدرس شیخ الہند مولانا محمود حسن رح تھے۔

راقم کا نظریہ ھے کہ برصغیر میں تین تحریکیں جو مختلف اوقات میں اٹھیں ان میں سے ایک بھی اگر اپنے منطقی انجام کو پہنچ پاتی تو پورے برصغیر کا نقشہ اس نقشہ سے مختلف ھوتا جو اس وقت ھمارے سامنے ھے۔ پہلی تحریک

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی احیائے خلافت کی تحریک ہے جسے ٹھوس منصوبہ بندی کے تحت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقرر کردہ خطوط پر اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی رھنمائی میں شروع کیا گیا ۔ اس کا آغاز ھی جہاد بالسیف کی صورت میں اعلائے کلمۃ الحق سے ھوا ۔ اگرچہ اسے ابتداء میں خاصی کامیابی ھوئی لیکن بالآخر غداروں کی غداری نے اسے ناکامی سے دوچار کیا ۔ مجاھدین سر زمین بالاکوٹ کو اپنے خون سے رنگین کرکے آئندہ کسی دوسرے ھاتھ کے لئے ذمہ داری چھوڑ کر خود پردہ خاک میں روپوش ھو گئے ۔ اسلام کے یہ جانباز جو پہاڑی دروں سے گزر کر وطن سے دور اس بیابان میں پہنچے تھے، سکھوں کے ھاتھوں شہید ھو گئے ۔ اور جو باقی رہ گئے وہ کسی طرح جان بچا کر ھندوستان پہنچے اور اپنی قوت کو مرتکز کرنے میں مصروف ھو گئے ۔ اگرچہ انھیں مصائب کا سامنا کرنا پڑا لیکن انھوں نے کسی نہ کسی صورت میں اپنا کام جاری رکھا تا آنکہ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کا پرچم بلند ھوا ۔ اصل میں ۱۸۵۷ء کی یہ تحریک آزادی ھند پورے برصغیر کے مسلمانوں کی انگریزوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ایک اجتماعی کوشش تھی ۔ لیکن افسوس کہ یہ تحریک بھی پروان نہ چڑھ سکی ۔ یہاں بھی غداروں کی غداری نے بچھی ھوئی بساط الٹ دی اور مسلمان جیتی ھوئی بازی ھار گئے ۔

عین اس وقت جبکہ انگریزی لشکر ھر طرف سے بڑھ رھا تھا، شاملی کے میدان میں اللہ تعالی کے ان سرفروش سپاھیوں نے ان کا راستہ روکا ۔ اس معرکہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح امام مقرر ھوئے ۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحسپہ سالار افواج مقرر ھوئے ۔ مولانا رشید احمد گنگوھی رح قاضی مقرر ھوئے ۔ مولانا محمد منیر اور حافظ ضامن تھانوی میمنہ اور میسرہ کے افسر مقرر ھوئے ۔ اعلان جہاد ھوا ۔ تھوڑی مدت میں مسلمان جوق درجوق سر پر کفن باندھے جمع ھو گئے ۔ اگرچہ ھتھیار پرانی وضع کے تھے ۔ مسلمانوں نے تھانہ بھون میں اسلامی

حکومت قائم کرلی ۔ انگریز کو خبر ہوئی تو اس نے فوراً توپ خانہ سہارنپور سے شاملی بھیجدیا ۔ ایک پلٹن اس توپخانہ کے ہمراہ تھی ۔ لوگوں کو تشویش ہوئی ۔ حضرت گنگوہیرح نے فرمایا ''فکر مت کرو،، سڑک باغ کے کنارہ سے گزرتی تھی ۔ حضرت گنگوہیرح نے تیس چالیس آدمی اپنے ہمراہ لئے اور گھات لگا کر بیٹھ گئے ۔ جب پلٹن قریب سے گزری تو سب نے یکدم فائر کیا ۔ پلٹن گھبرا گئی ۔ اور توپ خانہ چھوڑ کر بھاگ گئی ۔ شاملی اس زمانہ میں مرکزی مقام تھا اور ضلع سہارنپور کی ایک تحصیل شمار ہوتا تھا ۔ فیصلہ ہوا کہ اس پر حملہ کرکے قبضہ کیا جائے ۔ چنانچہ حملہ کیا گیا اور قبضہ کر لیا گیا ۔ جو پولیس اور فوج تھی مغلوب ہو گئی ۔ لیکن اس موقع پر حافظ ضامن شہید ہو گئے ۔ ان کی شہادت کے ساتھ ہی معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا ۔ پھر خبریں آنے لگیں، آج انگریزوں نے فلاں مقام پر قبضہ کر لیا اور آج فلاں مقام پر ۔ پہلے تو یہ بات تھی کہ گورے سپاہی مسلمانوں سے چھپتے پھرتے تھے ۔ اور اب معاملہ اس کے برعکس ہوگیا ۔ بالآخر انگریزوں نے تھانہ بھون پر قبضہ کرلیا ۔ اور وہ قیامت ڈھائی جس کی مثال ملنی مشکل ہے ۔

اس کے بعد مسلمان ہمیں منتشر نظر آتے ہیں ۔ حضرت حاجی امداد اللہ ہجرت کرکے مکہ تشریف لے جاتے ہیں ۔ حضرت گنگوہیرح پکڑے جاتے ہیں حضرت نانوتوی انگریزوں کے ہاتھ نہیں لگتے ۔ انگریزوں کا ہندوستان پر قبضہ ایک مصیبت سے کم نہ تھا ۔ انگریز فاتح تھا۔ پھر حاکم بن گیا ۔ اس نے یہاں کی تہذیب بدلنے کی کوشش کی۔ رفتہ رفتہ عدالتی نظام بدلا ۔ پھر تعلیم کی باری آئی ۔ اس کے لئے انگریز نے مساجد سے مدارس و مکاتب علیحدہ کئے ۔ اسکولوں اور کالجوں کی بنیاد رکھی۔ بدیسی زبان یعنی انگریزی کی حوصلہ افزائی شروع ہوئی۔ نئی تعلیم کے دلدادہ اور فارغ التحصیل اشخاص کو اختیارات تفویض کئے گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان کا نقشہ بدلنے لگا ۔ اس وقت اللہ تعالی کے ان بندوں

کا دل کڑھنے لگا۔ بوریہ نشین تھے۔ ظاھری مال و دولت سوائے ایمان کے کچھ نہ تھا۔ بہرحال اللہ تعالی کا نام لے کر ایک جگہ جمع ہوئے۔ مقصد یہ تھا کہ حضرت شاہ ولی اللہ کی تحریک احیائے دین اور احیائے خلافت زمانہ کے حوادث میں کہیں گم نہ ہو جائے۔ وھی تحریک جس کے لئے سید احمد شہید رحمۃ اللہ، شاہ اسماعیل رحمۃاللہ اور ان کے رفقائے کار نے اپنا خون دیکر آبیاری کی تھی۔ جس کی خاطر اس تحریک کے علمبرداروں نے مصائب جھیلے۔ قیدیں کاٹیں۔ جلاوطن ہوئے۔ بے آبرو ہوئے۔ اب وقت آگیا تھا کہ اس کا نئے سرے سے احیاء کیا جائے۔ تحریک احیائے اسلام جب ہم بولتے ھیں تو اس کا مقصد یہ ھرگز نہیں ھوتا کہ یہ کوئی نئی تحریک ھے۔ جس کا سہرا ان حضرات کے سر ھے۔ بلکہ اس کا ایک سرا تو حضرت ابراھیم علیہ السلام کے زمانہ تک چلا جاتا ھے۔ جبکہ باپ نے چاھا کہ اپنے لخت جگر کو اسلام کی راہ میں قربان کردے۔ اور فرزند دلبند نے چاھا کہ اللہ کے حکم کے آگے گردن جھکا دے۔ اسے قرآن نے ''اسلما،، سے تعبیر کیا ھے۔ یعنی دونوں باپ اور بیٹا اللہ کے حکم کے آگے جھک گئے۔

یہی وجوہ و اسباب تھے جن کے پیش‌نظر اب اللہ تعالی کے ان بندوں نے فیصلہ کیا کہ مدرسہ کی صورت میں ایک مرکز کی بنیاد رکھی جائے۔ یہی مرکز تحریک کی اساس ھوگا۔ اور اسی سے احیائے اسلام کا کام لیا جائے گا۔ اس موقع پر حاجی سید محمد عابد صاحب‌رح کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ھے۔ آپ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی‌رح کے خلفائے عظام میں سے ھیں۔ حد درجہ کے عابد و زاھد اور متقی تھے۔ ان کو مدرسہ کی لگن لگی ھوئی تھی۔ اس وجہ سے آپ نے اور مولانا مہتاب علی صاحب (عم بزرگ شیخ الہند) نے ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۸ء بروز پنجشنبہ مدرسہ مذکور کی ابتدا کی۔ فراھمی چندہ کے لئے آپ نے رومال پھیلایا۔ اور پانچ روپیہ سب سے پہلے اپنی جیب

سے ڈالے۔ اگلے روز حاجی عابد حسین رحمۃاللہ نے مولانا محمد قاسم نانوتوی کو میرٹھ خط لکھا کہ آپ پڑھانے کے لئے دیوبند تشریف لائیے۔ مولانا نے جواب میں لکھا :۔

''میں بہت خوش ہوا۔ خدا بہتر کرے۔ مولوی ملا محمود صاحب کو پندرہ روپے ماہوار مقرر کرکے بھیجتا ہوں۔ وہ پڑھا دیں گے۔ اور میں مدرسہ مذکور کے لئے مساعی رہوں گا''۔

چنانچہ زیر درخت انار مسجد چھتہ دیوبند میں مدرسہ مذکور کا افتتاح ہوا۔ سب سے پہلے متعلم محمود حسن (شیخ الہند) سب سے پہلے معلم ملا محمود، ساعت محمود یوم محمود (پنجشنبہ) ماہ محمود (محرم الحرام) تھا۔ پہلے سال یعنی ۱۲۸۳ھ کے اختتام پر مندرجہ ذیل کتب پڑھائی گئیں۔

شرح جامی، شرح وقایہ، میبذی، قطبی، اصول الشاشی، سراجی۔

سب سے پہلی مجلس شوری کے ارکان یہ ہیں :

(۱) مولانا محمد قاسم

(۲) حاجی عابد حسین

(۳) مولانا مہتاب علی

(۴) مولانا فضل الرحمان

(۵) مولانا ذوالفقار علی

(۶) شیخ نہال احمد

(۷) منشی فضل حق

تعلیم کا دور سب سے پہلے ۱۲۸۹ھ میں مکمل ہوا۔ سب سے پہلے پانچ طالبعلم یہاں سے فارغ ہوئے۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

(۱) مولانا محمود حسن (شیخ الهند)

(۲) مولانا عبدالحق

(۳) مولانا فخر الحسن گنگوهی

(۴) مولانا فتح محمد تهانوی

(۵) مولانا عبدالله جلال آبادی

اول اول تو مدرسه اسی چهته والی مسجد میں رها ۔ پهر طلبه کی تعداد میں اضافه هوا تو دوسرے مکانات میں تبدیل هوتا رها ۔ پهر ضرورت هوئی که اسے کسی کشاده جگه منتقل کیا جائے ۔ اور اس کے محرک مولانا قاسم نانوتوی تهے ۔ ان کی انتهک کوششوں سے ابتداءً ایک چهوٹے سے دارالعلوم کی صورت گری هوئی ۔ اس وجه سے مولانا قاسم نانوتویرح دارالعلوم کے بانی هیں ۔

روایت هے که سب سے پهلی اینٹ میاں منے شاه رحمة الله نے رکهی ۔ دوسری اینٹ حاجی عابد حسین نے اور تیسری گنگوهی رحمة الله نے اور اس کے بعد مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ۔

سنگ بنیاد کے وقت مندرجه ذیل حضرات موجود تهے :

(۱) مولانا رشید احمد گنگوهی

(۲) مولانا محمد قاسم نانوتوی

(۳) مولانا شاه رفیع الدین

(۴) شاه منے صاحب

(۵) سید محمد عابد

(۶) شاه عبدالرحیم صاحب رامپوری

(۷) مولانا محمد یعقوب

(۸) مولانا محمود حسن (شیخ الهند)

(۹) مولانا اشرف علی تھانوی

(۱۰) مولانا فضل الرحمن

(۱۱) شیخ نہال احمد

(۱۲) مولانا ذوالفقار علی

یہ دارالعلوم دیوبند کی ابتدائی مختصر تاریخ ہے۔ جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا قیام دارالعلوم کا اصل مقصد اس تحریک کو زندہ کرنا تھا جس کا نقشہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تیار کیا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ انگریز اپنے قدم ہندوستان میں جما چکا تھا۔ اب ان سب کی نظریں اس بات پر مرکوز ہو گئیں۔کہ انگریز کو برصغیر سے نکالا جائے۔ اس دوران ہم مولانا قاسم نانوتویؒ کے تذکرہ میں دیکھتے ہیں کہ آپ انگریز پادریوں کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ انگریز نے یہ کوشش کی کہ اپنے ہمراہ انگلستان سے پادری بر صغیر میں درآمد کرے۔ وہ کھلے بندوں سارے برصغیر میں گھومتے پھرتے اور مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرتے۔ مقصد یہ تھا کہ اسلام کے بارے میں لوگوں کے ذھن مشکوک کئے جائیں۔ مولانا قاسم نانوتوی کو اللہ نے ظاھری و باطنی کمالات سے نوازا تھا۔ علم بھی بلا کا تھا۔ نانوتوی رحمۃ اللہ نے عیسائی پادریوں سے مناظرے کئے۔ چنانچہ شاھجہاں پور کا مناظرہ مشہور ہے جس میں عیسائی پادری کو بری طرح شکست ہوئی۔ اسی طرح رڑکی کا مناظرہ مولانا کی کتاب ''قبلہ نما،، اس سلسلہ کی اھم دستاویز ہے۔

شروع میں میں نے ہندوستان کی تین تحریکوں کا حوالہ دیا تھا۔ دو تحریکوں کا اجمالی ذکر کیا ہے۔ ورنہ ہر تحریک کے لئے مستقل کتابیں موجود ہیں۔ اب تیسری تحریک کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔ جسے ''تحریک ریشمی رومال،، سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس تحریک کے بانی شیخ الہند مولانا محمود حسن ہیں۔

جو اس وقت دارالعلوم دیو بند کے صدر مدرس تھے ۔

اس تحریک کا مقصد خلیفہ ترکی کو آمادہ کرنا تھا کہ وہ اپنی فوجیں افغانستان کے راستہ ہندوستان میں داخل کرے ۔ دراصل یہ تحریک مسلح جہاد کی مانند تھی ۔ اس تحریک کے لئے شیخ الہند نے ہی خطوط متعین کئے تھے ۔ اس تحریک کو بہت ہی خفیہ رکھا گیا ۔ اور اس کے لئے ایک جماعت ''نظارۃ العارف،، کے نام سے بنائی گئی ۔ اس میں شیخ الہند کے ساتھ حکیم اجمل خاں اور نواب وقار الملک شریک تھے۔ پھر ڈاکٹر انصاری بھی شامل ہوگئے ۔ مولانا عبیداللہ سندھی دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے ۔ انھیں دارالعلوم سے الگ کیا گیا ۔ ظاہر یہ کیا گیا کہ مولانا سندھی اور دیگر علماء کا بعض علمی مسائل میں اختلاف ہو گیا ہے ۔ اور اسی اختلاف کی بنیاد پر مولانا سندھی کو علیحدہ کرنا ضروری سمجھا گیا ۔ بعد میں مولانا سندھی کو شیخ الہند نے کابل بھیجدیا ۔ یہ کسی طرح چھپتے چھپاتے کابل پہنچ گئے ۔ اس کے بعد کا حال مولانا سندھی کے اپنے الفاظ میں یوں ہے :-

''کابل جاکر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہند جس جماعت کے نمائندے تھے اس کی پچاس سال کی محنتوں کا حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیل حکم کے لئے تیار ہے ۔ اس کو میرے جیسے ایک خادم کی اشد ضرورت ہے ۔ اب مجھے اس ہجرت اور شیخ الہند کے اس انتخاب پر فخر محسوس ہونے لگا ۔ میں سات سال تک حکومت کابل کی شرکت میں اپنا ہندوستانی کام کرتا رہا،، ۔

ان حالات میں جب کہ حکومت کی سی آئی ڈی شدت سے اپنا کام کررہی تھی، بالخصوص اس زمانے میں جبکہ ذرائع نقل و حمل اور رسل و رسائل بڑے محدود تھے ۔ پیغامات مختلف کوارٹرز تک پہنچانے کے لئے بہت زیادہ احتیاط کی

ضرورت تھی۔ مثلاً ایک شخص پشاور سے شیخ الہند کے پاس حاضر ہوتا ۔ وہ کاغذ کے پھول اور گلدان بنانا جانتا تھا ۔ حضرت اسے کابل کے لئے خط دیتے ۔ وہ اسے پھول کی شکل میں بدلتا اور دیگر پھولوں کے ہمراہ گلدان کی صورت میں پشاور لیجاتا ۔ کسی کو گمان تک بھی نہ ہوتا کہ کسی پھول میں خط بھی ہو سکتا ہے ۔ اس طرح وہ شخص باقی پھول تو مقامی طور پر فروخت کر دیتا ۔ لیکن اصل پھول کسی کابل والے کے ہاتھ میں تھما دیتا ۔ جو اس غرض سے پشاور میں موجود ہوتا ۔ اب دیکھئے کس قدر احتیاط برتی گئی ۔ انہی ذرائع میں ایک ریشمی رومال بھی تھا ۔ اگرچہ ریشمی رومال کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اس لئے کہ اس پر فوجوں کی نقل و حرکت کے بارہ میں عبارت کاڑھی گئی تھی ۔ گورنر حجاز کے دستخط غالباً حاصل کئے جا چکے تھے۔ اور اب اس پر کابل کے دستخطوں کی ضرورت تھی ۔ اوریہ رومال کابل پہنچانا مقصود تھا ۔ تاکہ وقت مقررہ پر ترکی کی فوجیں افغانستان کے راستہ ہندوستان میں داخل ہوں ۔ لیکن وائے افسوس مخبروں کو خبر ہوگئی۔ اور یہ ریشمی رومال پکڑا گیا ۔ ساری اسکیم بظاہر ناکام ہوگئی ۔ عبارت دریافت کی گئی ۔ شیخ الہند مع اپنے رفقاء گرفتار ہوگئے اور مالٹا پہنچا دئے گئے۔ اور وہاں پانچ سال تک مع اپنے رفقاء مولانا سید احمد مدنی، مولانا عزیر گل جو اب بھی بقید حیات ہیں اور حکیم نصرت حسین مصائب برداشت کر کے واپس ہوئے ۔ موخرالذکر وہیں فوت ہوئے ۔ ریشمی رومال پر بھی کتابیں لکھی گئی ہیں ۔ جو حضرات اس تحریک کے متعلق جاننا چاہتے ہوں وہ ضرور مطالعہ کریں ۔

یہ ان تین تحریکوں کا اجمالی تعارف تھا ۔ جن کے بارے میں میرا نظریہ یہ ہے کہ اگر ان میں سے ایک بھی اپنے منطقی انجام کو پہنچ جاتی تو برصغیر کا نقشہ آج کے نقشہ سے مختلف ہوتا ۔ غرض یہ کہ دارالعلوم دیوبند ایک عظیم

دینی درسگاہ سے زیادہ ایک تحریک کا نام ہے۔ جس نے تحریک ولی اللہی کو زندہ رکھا ۔ اور آج تک اس کے علم کو تھامے ہوئے ہے۔

آزادی ہند کے دوران ہمیں اس دارالعلوم سے وابستہ اکابر دو محاذوں پر لڑتے نظر آتے ہیں ۔ ان دونوں کا مقصد ایک ہی تھا کہ بدیسی حکمراں کو برصغیر سے نکالا جائے ۔ اور بالآخر انگریز نکلنے پر مجبور ہوئے ۔ اس کے بعد برصغیر دو حصوں میں تقسیم ہوا ۔ تو پاکستان کا جھنڈا حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی لہراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور مشرقی بازو میں یہی جھنڈا مولانا ظفر احمد عثمانی نے لہرایا ۔ پھر جب پاکستان کا دستور اساسی تیار ہوتا ہے تو اسمیں بھی مولانا عثمانی کا ہاتھ نظر آتا ہے ۔ برصغیر کے دوسرے حصہ میں مولانا حسین احمد مدنی اس مادر علمی کے تحفظ میں سر گرم رہے ۔ اور کسی موقع پر جب ان سے پاکستان کے بارے میں پوچھا گیا تو برجستہ فرمایا کہ پاکستان بن گیا ہے ۔ اور اس کی حفاظت کرنا تمہارا فرض ہے ۔ حقیقت میں دارالعلوم دیوبند بحیثیت مادرعلمی اور بحیثیت ایک مرکز تحریک احیائے اسلام وسیع و عریض مضمون کا حامل ہے ۔ جس پر ایک مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے ۔ ان مختصر اوراق میں ان تمام پہلوؤں کو سمیٹنے کی کوشش بذات خود بر صغیر کی اس عظیم درسگاہ سے ناانصافی ہے ۔ تاہم اس مادر علمی کے متعلق نذرانہ عقیدت کے طور پر چند اوراق لکھنے کی سعی کی ہے ۔ کیونکہ میں بھی ایک ایسے بزرگ اور عالم سے فیض یافتہ ہوں جنہوں نے اس مادر علمی میں درسیات کی تکمیل کی۔ اور گزشتہ سال دینی کام ہی کے دوران اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔

دارالعلوم دیوبند نے گزشتہ ایک صدی کے دوران ملت اسلامیہ کے لئے کیا خدمات سر انجام دیں ۔ اس کا ایک مختصر گوشوارہ ۱۲۸۳ھ تا ۱۳۸۲ھ، درج ذیل ہے ۔

اس صدی کے دوران اس مادر علمی نے	۵۳۶	مشائخ	پیدا کئے		
,, ,, ,,	۵۸۸۸	مدرسین	,,	,,	,,
,, ,, ,,	۱۱۶۴	مصنفین	,,	,,	,,
,, ,, ,,	۱۷۸۴	مفتی	,,	,,	,,
,, ,, ,,	۱۵۴۰	مناظر	,,	,,	,,
,, ,, ,,	۶۸۴	صحافی	,,	,,	,,
,, ,, ,,	۴۲۸۸	خطیب و مبلغ	,,	,,	,,
,, ,, ,,	۲۸۸	طبیب	,,	,,	,,

طلبائے قدیم درالعلوم نے ۹۰۰۰ مدارس و مکاتب قائم کئے۔

(ماھنامہ الحق جون ۷۱ء)

اس مادر علمی سے فیض یافتہ اھل علم نے علم کی مشعل برابر روشن رکھی۔ جدید اور قدیم دارالعلوم، مدارس اور مکاتب اس وقت ملک میں برابر تشنگان علوم کو سیراب کر رہے ھیں۔ ان سب درسگاھوں کا اصل سر چشمہ وہ مادر علمی ھے جس نے اپنی زندگی کے سو سال پورے کر لئے ھیں۔

آخر میں میں مناسب سمجھتا ھوں کہ مسلک دیوبند کے متعلق مختصراً عرض کروں سو اس کے لئے میں نے دارالعلوم کے موجودہ مہتمم مولانا قاری محمد طیب صاحب کے الفاظ کا انتخاب کیا ھے۔

''علمائے دیوبند اپنے مسلک اور دینی رخ کے لحاظ سے اھلسنت والجماعت ھیں۔ اور اھل سنت کا بھی اصل ھیں۔ ھندوستان میں یہ سلسلہ قوت کے ساتھ اجتماعی رنگ میں حضرت الامام حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ پھیلا اور چمکا۔ اس سلسلہ کی وہ کڑی آج ھندوستان میں اھلسنت والجماعت کے مسلک کی ترجمان اور رواں دواں ھے۔ علماء

دیوبند هیں جنهوں نے تعلیم و تربیت کے ذریعه اس سلسله کو مشرق سے مغرب تک پهنچایا اور پهیلایا . . . . .

پس مسلک علماء دیوبند محض اصول پسندی کا نام هے۔ نه شخصیت پرستی کا۔ نه ان کے یہاں دین اور دینی تربیت کے لئے تنہا لٹریچر کافی هے۔ نه تنہا شخصیت، نه تنہا مطالعه، نه اپنا ذاتی ذهن غور و فکر کے لئے کافی هے، نه تنہا شخصیتوں کے اقوال و افعال پر اتکال اور بهروسه۔ بلکه احوال و قانون اور ذوات و شخصیات اور بالفاظ مختصر لٹریچر بشرط معیت و ملازمت صدیقین سے اس مسلک کا مزاج بنا۔ جس میں کسی ایک کے احترام سے قطع نظر جائز نہیں اور جبکه جامعیت اور اعتدال اور احتیاط و میانه روی هی مسلک کا جوهر هے تو دین کے ان تمام شعبوں اور علمی اصول میں قرآن و حدیث سے لے کر فقه و کلام اور تصوف و اصول وغیره کی چهوٹی چهوٹی جزئی پر جمنا اور حکمت و اعتدال کے ساتھ اسے مشعل راه بنانا هی اس مسلک کا امتیاز هے۔ اور ادهر ذوات اور شخصیات کی لائن میں حضرات انبیائے کرام علیهم الصلواة و السلام سے لے کر ائمه، اولیاء، صلحاء، علماء مشائخ، صوفیاء اور حکماء کی ذوات قدسیه تک کے بارے میں افراط و تفریط سے الگ ره کر ان کی عظمت، متابعت پر قائم رهنا هی اس مسلک کی امتیازی شان هے،،۔